محمد حنیف ندوی

تاثرات

(۳)

مزید برآں پرویز صاحب کے اِن الفاظ سے یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے کہ منصوص وغیر منصوص کی تقسیم عقلی ہے۔ یعنی قرآن حمید میں جن مسائل کا تذکرہ ہے وہ تو اصولی اور بنیادی ہیں - جن میں تغیر و تبدّل کی قطعی گنجائش نہیں - اور جن مسائل کا ذکر نہیں ہوا ہے، وہ جزئیات ہیں۔ جن میں اسلامی معاشرہ کو قرآن کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے تغیر و تبدّل کا اختیار رہے - حالانکہ امر واقع ایسا نہیں۔ قرآن کی ترتیب تاریخی ہے، عقلی نہیں۔ وہ تئیس سال کے طویل عرصے میں حالات وظروف کی مناسبتوں کے پیشِ نظر نازل ہوا ہے - جملۃً واحدۃً یا ایک مترتب مدوّن کتاب کی شکل میں نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا۔

(الفرقان ۳۲)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا اس طرح آہستہ آہستہ اس لیے اتارا گیا کہ تمہارے دل میں تثبت پیدا ہو اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں - اور یہ لوگ تمہارے پاس جو اعتراض کی بات لاتے ہیں - ہم تمہارے پاس اس کا خوب شرح اور معقول جواب بھیج دیتے ہیں -

یہی وجہ ہے اس میں اس دور کے ذہن، درجہ عقلی اور رسمیات کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے، اور اس انداز سے قلبِ رسول پر نازل کیا گیا ہے - کہ جب کوئی خلش پیدا ہوئی، کوئی سوال ابھر کر سامنے آیا، یا کسی کو کوئی اعتراض سوجھا، یا حالات ہی نے تقاضہ اور سوال کی متعین صورت اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی کی غرض سے ایک آیت، ایک سورۃ یا چند آیات نازل ہوتیں - اور ان مشکلات کو حل، اور گتھیوں کی آن کی آن میں سلجھا دیا جاتا۔ اس میں ابواب و فصول، اور مضامین کی مصنوعی ترتیب پائی نہیں جاتی، اور نہ بنیادی اور اساسی مسائل ہی کی کوئی تخصیص کارفرما ہے - بلکہ جس نہج سے، مسائل و حالات نے کروٹ بدلی اور جس جس اسلوب سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے گئے، اسی مناسبت سے ان کے بارے میں احکام و تفصیلات کا نزول ہوتا رہا - یعنی بنیادی اور غیر بنیادی کی تفریق تسلیم کئے بغیر جب کبھی کسی سوال نے اہمیت حاصل کر لی، قرآن کو اس کے جواب سے بہرحال

عہدہ برآہونا ہی پڑا۔ یہی سبب ہے کہ اگر کسی نے روح کی حقیقت پوچھ لی۔ جو بلاشبہ فلسفہ و دین کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ تو اس کی تسکین کا سامان بھی بہم پہنچایا۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ (اسرائیل ۸۵)

اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے۔ اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

اور اگر کسی نے حیض کا مسئلہ دریافت کر لیا کہ جس کا تعلق سراسر امور صحت سے ہے اور جس کو ہر کوئی جانتا ہے تو اس جلیل القدر کتاب کو اس کی بھی وضاحت کرنا پڑی۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ۔ (بقرۃ ۲۲۲)

اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو وہ تو نجاست ہے۔ سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو۔

پھر علاوہ ان داخلی شہادتوں کے، جن کو اس مسئلہ کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ ایک ایسا معاشرہ، جو صدیوں سے علوم کی صیقل گری سے محروم ہو۔ ایک مرتب کتاب سے کیونکر استفادہ کر سکتا ہے۔ اس کی اصلاح تو لامحالہ ایسی ہی کتاب سے ممکن ہے جو ان کی نفسیات اور ضروریات کے مطابق وقتاً فوقتاً، تدریجاً نازل ہو۔ اور اس کے مضامین کا تنوع اور بوقلمونی، اس کے ذہن و قلب کی آوارگیوں کو، اپنی طرف جذب کر لینے میں کامیاب ہو سکے۔ اور قرآن کی فتوحات اور کامیابیوں کا راز اسی نکتہ میں پنہاں ہے کہ اس نے اس نزاکت کو ملحوظ رکھا ہے۔

اس تجزیہ سے اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے، کہ قرآن کی ترتیب علمی وعقلی نہیں بلکہ تاریخی ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ جہاں تک مسئلہ اجتہاد کا تعلق ہے مسائل میں منصوص وغیر منصوص کی تقسیم موثر اور سمجھ میں آنے والی نہیں بلکہ اس کے بجائے قابل فہم تقسیم یہ ہے۔ کہ جن آیات کا تعلق عقائد و عبادات سے ہے، وہ تو اصولی اور بنیادی ہیں اور غیر متبدل ہیں۔ اسی طرح ان سے متعلقہ مسائل وجزئیات کی حیثیت بھی غیر متبدل ہے۔ جو تعبدیات کے نقشے اور ڈھانچے کو واضح کرتی ہیں۔ لیکن وہ آیات جو سوسائٹی اور معاشرہ کے تہذیبی و عمرانی مسائل سے تعرض کرتی ہیں ان کی نئی تعبیر قرآن ہی میں مذکور نسبتاً زیادہ وسیع، زیادہ جامع اصولوں اور معیاروں کی روشنی میں کی جا سکتی ہے۔ اور ان کے رُخ اور مزاج کو حالات وظروف کے تقاضوں کے مطابق بدلا جا سکتا ہے۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ کچھ اہل علم کے ذہنوں میں یہ بات اب تک نہیں آپائی کہ معاشرہ ساکن نہیں ہے اور اس میں تغیّر و ارتقاء کا عمل جاری و ساری ہے۔ اور جس طرح ایک مادی معروض طبیعاتی قوانین کا ہدف بنتا ہے، اور طبیعی عوامل سے متاثر ہوتا، اور مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح انسانی معاشرہ اور سوسائٹی

بھی ایسی تبدل پذیر حقیقت ہے کہ جس پر طبیعی عوامل اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی قوت ایسی نہیں جو ارتقار کی اس ناگزیر رفتار کو روک سکے۔ یہ عوامل حیاتیاتی بھی ہیں اور صناعی و فنی (TECHNOLOGICAL) بھی۔ اجتماعیات سے متعلق بھی ہیں اور دینیاتی یا نظریاتی بھی۔ اقتصادی بھی ہیں، اور ایسے داخلی اور فطری بھی کہ جن کو خود معاشرہ جنم دیتا رہتا ہے۔ یہ عوامل کس انداز میں اثر انداز ہوتے ہیں اور کیونکر معاشرہ کے مزاج کو بدلتے اور اس کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بحث ہے جس سے عمرانیات کا ہر طالب علم آشنا ہے۔ اس لئے ہم اس کی تفصیلات میں جانے کے لئے تیار نہیں۔ البتہ ان نتائج کی طرف ضرور توجہ دلانا چاہتے ہیں جو منطقی طور پر اس سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اگر معاشرہ ایک ایسی حقیقت سے تعبیر ہے۔ جو ارتقار کی راہ پر گامزن ہے۔ جو شئون و حالات کی ان گنت کیفیتوں کو سموئے ہوئے ہے۔ اور جو سکون و قرار سے متنفر اور حرکت و تغیر پہ ہزار جان سے فریفتہ ہے قانون کی کوئی شکل مکمل اور آئین کی کوئی صورت جامع نہیں ہو سکتی۔ چاہے یہ قانون ایسا ہو کہ انسانی عقل و خرد نے اسے وضع کیا ہو۔ اور سوسائٹی کی دنیوی اور مادی ضروریات نے اسے پیدا کیا ہو، اور چاہے یہ آئین کسی الہامی کتاب سے ماخوذ ہو۔ قانون و آئین کی فطرت کا بہر حال تقاضا یہ ہے کہ حالات کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس میں معقول تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں —— اور انسان بحیثیت مجموعی ٹھہراؤ اور سکون کا شکار ہوئے بغیر خیر و جمال کی طرف بڑھتا رہے، اور فلاح و بہبود کی زیادہ سے زیادہ مقدار سے بہرہ مند ہوتا رہے —— اس مرحلہ پر اس آیت سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (۳/۵) اور آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔ اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا۔

اور یہ نہیں سمجھنا چاہیئے تکمیل دین سے مراد یہاں جزئیات کا استیعاب ہے۔ یا یہ کہ قیامت تک جن جن واقعات کو رونما ہونا ہے، اور جن جن تبدیلیوں کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے قرآن نے ان کی تفصیلات کو پہلے سے من وعن بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی۔

یہ مفہوم بداہتہً غلط ہے۔ اور مناظرانہ تنگ نظری پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر قرآن نے اُس آخری مسئلہ کی حد تک وضاحت کر دی ہے جو تقاضائے وقت سے اُبھرنے والا ہے تو پھر احادیث رسولؐ کے لیے کیا وجہ جواز پیش کی جائے گی۔ اور مابعد کی نہایت ہی بیش قیمت فقہی مساعی کے بارہ میں کیا کہا جائے گا۔ جن سے اسلامی معاشرہ نے ایک بندھے ٹکے نظام کی شکل اختیار کی اور جن کی بدولت اسلامی اندازِ زیست کے لیے ایک متعین سانچہ مہیا ہوا۔ مذہب کی تکمیل کا یہ تصور کہ اس میں ہر ہر جزئی کی وضاحت موجود ہے، اول تو ممکن ہی نہیں لیکن اگر بر سبیل تنزل یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ یقین دلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ ایسا دین زیادہ عرصے تک زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ اور زمانے کی تغیر آفرین منطق کو جھٹلا

دینے پر قادر بھی ہے۔

ہمارے نزدیک اسلام کے کامل دین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قانونی ڈھانچہ میں ہر لحظہ ترقی کی گنجائش ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حسن وجمال کو اور نکھارا اور اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں اجتہاد وفکر کی قوتوں کو تگ وتاز کی پوری پوری آزادی حاصل ہے۔ یہ نہیں کہ یہ کوئی ٹھس اور جامد مذہب ہے یا یہ کہ اس کے آنے کے بعد انسانی ضروریاتِ ارتقاء ختم کردی گئی ہیں۔ لہٰذا انسانی ذہن وفکر کی تازہ کاریوں کے لیے سرے سے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ اس کے برعکس ہمارا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ مذہب وعقل دونوں اللہ تعالےٰ کے بہترین فیضان ہیں اور دونوں ہی ترقی پذیر اور وسعتِ نظر وقلب کے حامل ہیں۔

پرویز صاحب اگر ہمیں اجازت دیں تو قرآن کی "چار دیواری" کے بارہ میں بھی ان سے وضاحت طلب کرلیں۔ یوں اصولاً ہم اس نظریہ سے متفق ہیں کہ تشریح وتوضیح یا اجتہاد وفکر کے دائروں کو قرآن کی چار دیواری تک محدود رہنا چاہیئے۔ اور کوئی قدم بھی قرآنی تعلیمات کے خلاف نہیں اُٹھنا چاہیئے۔ لیکن ان الفاظ میں ایک بل ہے جس کو سلجھا دینا بہت ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس چار دیواری کو سچ مچ کی چار دیواری پر قیاس کیوں کر لیا جائے۔ کیا اس چار دیواری میں شمع رسالت فروزاں نہیں ہے، اور اس کی ضیاء گستری سے پوری اسلامی تاریخ روشن نہیں۔ اور مشکوٰۃ نبوت سے استفادہ واطاعت کی بے لاگ تصریحات پائی نہیں جاتیں۔ اور اسی چار دیواری میں دین کے بارہ میں پیغمبر کے نقطۂ نظر اور تشریحات کو تسلیم کرلینے کی واضح تلقین موجود نہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا مندرجہ ذیل آیات اسی چار دیواری کی جان اور رونق نہیں۔ اور ان سے پیغمبر کے اسوہ وعمل کے استناد پر روشنی نہیں پڑتی۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم ۝ قل اطیعوا اللہ والرسول۔ فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین (آل عمران ۳۲)

اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ کہدو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست رکھنے والا نہیں

وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلٰلًا مبینا (الاحزاب ۳۶)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس امر میں اپنا بھی کوئی اختیار سمجھیں اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر وذکر اللہ کثیرا (احزاب ۲۱)

تم میں سے ہر اس شخص کے لیے پیغمبر خدا کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ جس کو خدا قیامت کی امید ہو اور وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

یہی نہیں۔ کیا اسی چار دیواری میں ان لوگوں کے نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھنے کی تاکید نہیں کی گئی جنہوں نے اسلام کو اس کے اولیں سرچشموں سے حاصل کیا۔ (باقی)